تزکیہ وتربیت

حُبِّ رسولؐ

مولانا محمد بدر عالم میرٹھیؒ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اپنی جان بلکہ سب جہان سے زیادہ کرنا ضروری ہے۔

۱- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری، مسلم)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تم میں سے کوئی مومن نہیں ہے جب تک کہ میں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

ایمان کا کمال یہ ہے کہ شریعت کی پیروی میں وہ لطف و لذت محسوس ہونے لگے جو طبعی مرغوبات میں محسوس ہوتا ہے۔ نماز کے وقت نماز، اور ماہ رمضان میں روزہ، اور نصاب سالانہ پر زکوٰۃ کی وہ خواہش ہو، جو سردی میں گرم کپڑے اور گرمی میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ نفس اپنی سرشت چھوڑ کر شریعت کے تابع ہو جائے۔ اسی کا نام نفسِ مطمئنہ ہے۔ جب نفس میں یہ ذوق پیدا ہو جائے گا تو بلا کلفت شریعت پر دائمی عمل میسر آجائے گا۔ اسی وقت وہ ایمان حاصل ہوگا جو بڑی حد تک زوال کے خطرہ سے مامون ہوگا۔ شریعت میں اس کو ایمانِ کامل کہا جاتا ہے۔ یہ ایمان محبت سے حاصل ہوتا ہے۔

شیخ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ محبت کے تین اسباب ہیں: کمال، جمال، جود و سخا۔ یہ تینوں اوصاف آنحضرتؐ سے زیادہ کسی میں موجود نہیں۔ آپؐ کا کمال شریعتِ مطہرہ سے ظاہر ہے۔ آپؐ کا جمال احادیثِ شمائل میں موجود ہے۔ آپؐ کی روحانی و مادی بخشش و کرم کا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے! پھر آپؐ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ضروری ہو۔

ماں، باپ، بیٹے کی محبت طبعی ہے، اور آنحضرتؐ کی محبت عقلی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں، کمال

(التوبہ ۹:۲۴)

ایمان یہ ہے کہ تقاضائے عقل تقاضائے طبیعت پر غالب آجائے۔ ایمان صرف عقائد و عمل کا نام نہیں' بلکہ ان کیفیات کا نام ہے جن سے شدہ شدہ مومن کا قلب مزین و رنگین ہو جاتا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے شفا میں سیرت محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ جنگِ اُحد میں ایک انصاری عورت کا باپ' بھائی' شوہر تینوں شہید ہو گئے۔ جب اسے خبر ملی تو اس نے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ تو بخیر ہیں ؟ لوگوں نے کہا' ہاں بخیریت ہیں۔ اس نے کہا' چلو مجھے دکھلاؤ تاکہ میں خود آپؐ کے روئے انور کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپؐ کو دیکھ لیا تو بولی' کل مصیبۃ بعدک جلل' جب آپؐ زندہ سلامت ہیں تو اس کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ انور ہمیں اپنے مال و اولاد اور والدین اور پیاس میں سرد پانی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔ اہلِ مکہ زید بن وثنہؓ کو قتل کے لیے حرم سے باہر لے چلے۔ ابو سفیان بن حرب بولا' کہو زیدؓ' قسم کھا کر بتلاؤ کیا اس وقت تمہیں یہ پسند ہے کہ محمدؐ یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم گھر ہوتے۔ زیدؓ نے قسم کھا کر کہا' مجھے ہرگز یہ گوارہ نہیں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں آپؐ کے جسم میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابو سفیان کہنے لگا' میں نے کسی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا کہ محمدؐ کے ساتھی ان سے کرتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بولا' آپؐ مجھے اپنے اہل و مال سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپؐ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک یہاں آکر آپؐ کو دیکھ نہیں لیتا۔ اب غم یہ ہے کہ وفات کی بعد آپؐ تو انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے' وہاں میں آپؐ کو کیسے دیکھا کروں گا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی' وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ''جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا کا انعام ہے' یعنی نبی' صدیق' شہید اور نیک لوگ' اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے'' (النساء ۴: ۶۹)۔ آپؐ نے اسے بلا کر یہ آیت سنا دی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں معیت سے مراد صرف جنت میں معیت ہے' جہاں ہر وقت حاضر ہو کر آپؐ کا دیدار ممکن ہو گا۔ خاص آپؐ کے مقام و منزل میں معیت مراد نہیں۔

عبد اللہ بن زید بن عبد ربہؓ' جو صاحب الاذان کہے جاتے تھے' اپنے باغ میں کچھ کام کر رہے تھے۔ دفعتاً ان کے فرزند پہنچے اور آنحضرتؐ کی خبر وفات سنائی۔ اسی وقت انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور کہا' اے اللہ' مجھے نابینا کر دے کہ ان آنکھوں سے اب کسی کو نہ دیکھ سکوں۔

آنحضرتؐ کے صحابہؓ کو آپؐ سے ایسی ہی محبت تھی جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔ بدقسمتی سے اگر

کسی کو یہ مقام حاصل نہیں تو وہ ان کی محبت میں تاویل نہ کرے جن کو یہ مقام حاصل تھا۔

۲- عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ ھِشَامٍؓ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ اٰخِذٌ بِیَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ فَقَالَ عُمَرُ فَاِنَّکَ الْاٰنَ وَاللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ الْاٰنَ یَا عُمَرُ (بخاری)

عبداللہ بن ہشامؓ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ حضرت عمرؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپؐ سے عرض کیا' یا رسول اللہؐ' آپؐ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' جب تک تم کو میں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں تم مومن نہیں ہو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا' اچھا' اب آپؐ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا' تو اب پکے مومن بھی ہو گئے۔

یہ عمر فاروقؓ کی صداقت تھی کہ انھوں نے اپنا اندرونی کھوٹ دربارِ رسالت میں صاف صاف کہہ ڈالا۔ اور یہ خاتم الانبیاؐ کا کمال تھا کہ ایک سیکنڈ میں آپؐ نے ایمان کے تمام ارتقائی مدارج انھیں طے کرا دیے۔ وہ سینہ جو ابھی ابھی اپنی جان کو عزیز تر سمجھ رہا تھا' دوسری ساعت آنے نہیں پاتی کہ رسولؐ کی ذات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تر سمجھنے لگتا ہے۔

کہنے کو تو یہ دو ہی فقرے ہیں' مگر آپؐ کی فیضِ صحبت کی یہ برقی تاثیر عقلِ انسانی کے لیے موجبِ حیرت بن رہی ہے۔ اب سوچو کہ جہاں سیکنڈوں کی صحبت کے آثار یہ ہوں' وہاں ہفتوں' مہینوں اور سالوں کے اثرات کیا ہوں گے۔ قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا۔

اس مضمون کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

اے مومنو' اگر تمھارے باپ' بھائی' ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھتے ہوں تو انھیں اپنا دوست نہ بناؤ' اور جو ایسا کرے گا تو یہی لوگ ظالم ہوں گے۔ اے پیغمبرؐ' آپ کہہ دیجیے کہ تمھارے باپ' اولاد' بھائی' بی بیاں' کنبہ' تمھارا مال جو تم نے کمایا ہے' تمھاری تجارت جس کے نقصان کا تمھیں اندیشہ ہے' تمھارے رہنے کے مکان جو تمھیں بہت پسند ہیں' یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو' یہاں تک کہ جو خدا کو کرنا ہے تمھارے سامنے آجائے۔ خدا فاسقوں پر ہدایت کی راہ نہیں کھولتا۔

آیتِ بالا میں تفصیل کے ساتھ ان جملہ عواقب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے جو اسلامی زندگی اختیار کر لینے کے بعد غیر متوقع نہیں ہوتے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے' بھائی اپنے بھائی سے' شوہر اپنی بی بی سے علیحدہ ہو جائے۔ کنبہ قبیلہ روٹھ جائے۔ اپنا جمع کیا ہوا مال ہاتھوں سے نکل جائے۔ چلتی ہوئی تجارت میں روڑا اٹک جائے۔ اپنے رہائشی اچھے اچھے مکان ترک کرنے پڑ جائیں۔ مگر بتلاؤ ایسے وقت میں تم کس کا ساتھ دو گے؟ اگر کہیں عزیزوں کا ساتھ دیا تو یہ اس کا ثبوت ہو گا کہ جو ایثار و قربانی کا عہد تم نے اپنے خدا سے باندھا تھا وہ غلط تھا۔ پھر جو اس عہد شکنی کی پاداش ہو' اس کا انتظار تمہیں کرنا چاہیے۔

عزیزوں کے بڑے حقوق ہیں' اور سب حقوق کی رعایت کرنا انسان کا فرض ہے' مگر خدا اور رسولؐ کا حق سب سے مقدم ہے۔ اور اسی لیے جب کسی کے حق کی ادائیگی میں ان کا حق فوت ہو تو پھر ان کا حق مقدم کرنا ہو گا۔ والدین اپنی جگہ بہت بڑے حق دار ہیں' مگر خدا اور رسولؐ کا حق ان سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے آیت کے شروع میں پیرایۂ بیان یہی اختیار کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے والدین ایمان پر کفر کو ترجیح دیں' اور خدا کے حق کو فراموش کرنے لگیں' تو پھر تمہارا حق ہو گا کہ تم بھی ان کے حق کو فراموش کر دو۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا:

> یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے عداوت رکھتے ہیں' اگر چہ یہ لوگ اپنے والد' اولاد' بھائی اور کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔ (المجادلہ ۵۸:۲۲)

یہاں پر تقریباً ان ہی رشتوں کا پھر ذکر کیا گیا ہے جن کا اوپر کی آیت میں ذکر کیا گیا تھا۔ ہر دو آیت میں ولایت و مودت کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ان عزیزوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی عداوت اور کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کا میلان پایا جائے۔ اور اسی وقت اسلام اپنی محبت کا امتحان لیتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یوں تو بیشتر احادیث قرآن کریم کی تشریحات ہی کا دوسرا نام ہیں' مگر بعض مرتبہ کسی حدیث کے الفاظ کسی آیت کے الفاظ سے اس قدر قریب ہوتے ہیں گویا ایک ہی مضمون کی دو تعبیریں ہیں۔ ایسے مقامات پر پہلے قرآن کریم کی آیت کا بغور مطالعہ کر لینا چاہیے' پھر اسی کی روشنی میں اس حدیث کو پڑھنا چاہیے۔ حضرت انسؓ کی اس حدیث کو ہم نے بار بار پڑھا' اور صرف اتنا ہی سمجھا کہ یہ حدیث صرف ایمانِ کامل کا معیار بتلاتی ہے' اور وہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہونا چاہیے۔ لیکن جب آیاتِ بالا پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ایک اساسی اصول کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے' اور وہ یہ کہ اسلام کے ابتدائی ماحول میں خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا والد اور اولاد کے درمیان سب سے بڑا تفرقہ کا سبب تھا۔ بہت ممکن تھا کہ ان رشتوں کی محبت اسلامی سعادت کے حاصل ہونے میں مانع آتی۔ تاریخ اسلامی سے پتا چلتا ہے کہ بعض مرتبہ یہی محبتیں اسلامی قربانیوں کے لیے سدِّ راہ بن گئی ہیں گو شاذ و نادر سہی۔ اسی کی طرف آیتِ ذیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اے ایمان والو! تمہاری بیبیوں اور اولاد میں ایسے بھی ہیں جو تمہارے لیے باعثِ فتنہ ہیں' ان سے ذرا بچتے رہنا۔ (التغابن ۶۴:۱۴)

یہ حدیث بتلاتی ہے کہ اگر باپ کے لیے کبھی ایسا موقع آئے کہ اسلام کی وجہ سے اسے اپنی اولاد چھوڑنی پڑ جائے یا اولاد کو ایسا موقع ہو کہ اپنے والدین ترک کرنے پڑیں' تو ایمان یہ ہے کہ یہ قربانیاں کر گزرنی چاہئیں۔ یہی غلبۂ محبت کے معنی ہیں۔ اب اسے آپ حبِ عقلی سے تعبیر کریں یا حبِ شرعی سے جس ماحول میں ہم ہیں وہ اسلامی ماحول ہے۔ یہاں اولاد بھی مسلمان' اور والد بھی مسلمان۔ اس لیے اس طرف ذہن ہی نہیں جاتا کہ خدا اور رسولؐ کی محبت کو والدین یا اولاد کی محبت سے کوئی تقابل ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہاں تو خدا اور رسولؐ کی محبت اسی طرف اور داعی ہے کہ والدین کی محبت اور زیادہ ہو۔ لیکن جب یہ ماحول نہیں تھا اور اسلام دنیا کو کفر کی تاریکیوں سے نورِ ہدایت کی طرف نکلنے کی دعوت دے رہا تھا' اس وقت خدا و رسولؐ کی محبت' والد و اولاد کی عداوت کے ہم معنی بنی ہوئی تھی۔ جو خدا سے محبت کرتا اسے اپنے مال و اولاد کو چھوڑنا پڑتا' اور جو اپنے مال و اولاد کا ساتھ دیتا اسے خدا و رسولؐ سے بغاوت کرنا ہوتی۔

ایک درمیانی درجہ یہ ہو سکتا تھا کہ خدا و رسولؐ کی محبت کے ساتھ دشمنوں کی محبت کو بھی نبھالیا جائے۔ یہ حدیث اس کمزوری کو دفع کرنا چاہتی ہے' اور بتلاتی ہے کہ اسلام یہ ہے کہ تم خدا اور رسولؐ کی محبت پر سب کچھ قربان کردو' اور اس کے مقابلہ پر کسی کا ساتھ نہ دو۔ (خ۔م)

آئندہ شمارے میں

- پاکستان کی خارجہ پالیسی : پروفیسر خورشید احمد
- یمن میں کیا ہوا : عبد الغفار عزیز
- میں --- کہ زندگی ہوں : محمد رضی صدیقی
- مسلمانوں کا غیظ و غضب کیوں ؟ : برنارڈ لیوس کے مقالہ کی تلخیص

اس کے علاوہ: کلام نبویؐ' حکمت مودودیؒ' رسائل و مسائل' کتاب نما اور دیگر مستقل سلسلے۔